ازبکستان کی دو کروڑ آبادی میں پروٹسٹنٹ مسیحی برادری پندرہ ہزار افراد پر مشتمل ہے جو ریاستی قوانین پر پورا اترنے کے لیے پورے طور پر کوشاں ہے، تاہم اس کے ساتھ ہی وہ اپنے تمام نہیں تو اکثر چرچوں کے بند ہونے کے خلاف بھرپور مہم کی تیاری کر رہی ہے۔

ایک مقامی چرچ رہنما کے الفاظ میں ''حکومت نے تسلسل کے ساتھ ہمیں کہا ہے کہ مقامی مسلمان آبادی میں مسیحیت کی تبلیغ بند کر دیں۔ متعدد مسلمان رہنماؤں نے کسی طرح ہماری حکومت کو قائل کر لیا ہے کہ مسیحیت قبول کرنے والے ازبک ایک مسئلہ ہیں، اور یہ سب کچھ بند ہونا چاہیے۔'' (ازبکستان میں مسلمان کل آبادی کا تقریباً ۶۵ فیصد حصہ ہیں)۔ اِس پس منظر میں ازبک نو مسیحیوں کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں نے رجسٹریشن کی کوشش نہیں کی، اور یہ لوگ اپنے طور پر مذہبی اجتماعات منعقد کرتے رہے ہیں۔

ایک پادری نے صورتِ حال سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ''یہ قانون سخت امتیازی نوعیت کا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے لیے آنے والا وقت مشکل ہوگا۔''

## پاکستان: ہندوستان میں مسیحی اقلیت کے خلاف تشدد پر ردِ عمل

''بھارتیہ جنتا پارٹی'' کی مقبولیت، انتخابات میں اس کی بتدریج کامیابی اور پھر مخلوط حکومت کی تشکیل (۱۹۹۸ء) نے اس کے ''سنگ پریوار'' کو اتنا دلیر کر دیا ہے کہ ''ہندو وشوا پریشد'' اور ''بجرنگ دَل'' کے رہنما بظاہر ووٹ حاصل کرنے کے لیے جو کچھ کہتے تھے، اس پر بتدریج عمل کر رہے ہیں۔ مرکز میں ''بھارتیہ جنتا پارٹی'' کی حکومت بننے سے پہلے ''بابری مسجد (اجودھیا)'' کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی تھی، اور اب رام مندر کی تعمیر کے لیے ڈھکے چھپے اقدامات کیے جا رہے ہیں۔ ان انتہا پسند ہندو تنظیموں کا تازہ ترین شکار مسیحی اقلیت ہے۔

۱۹۹۸ء کے آخری چھ ماہ میں مسیحیت کے خلاف تشدّد کے کم وبیش نوّے واقعات سامنے آئے ہیں۔ یہ واقعات زیادہ تر گجرات، اڑیسہ اور مدھیہ پردیش میں ہوئے ہیں۔ ہندوستان کی پچاس سالہ تاریخ میں مسیحیوں کے خلاف اتنے بڑے پیمانے پر تشدّد اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

اس کے اسباب کیا ہیں؟ اوّلاً ہندو انتہا پسندوں کو مسیحی مبشرین کی بشارتی سرگرمیاں پسند نہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہندو ذات پات اور چھوت چھات نے جن کروڑوں انسانوں کو حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا تھا، اور وہ معاشرے کی سب سے نچلی سطح پر زندگی گزارنے پر مجبور تھے، ان شودروں اور قبائلیوں کو مسیحی منادوں نے لکھنا پڑھنا سکھایا، متعدی بیماریوں سے اُنہیں نجات دلائی، معاشی طور پر اپنے پاؤں پر کھڑا کیا اور وہ حلقہ مسیحیت میں آنے پر تیار ہو گئے۔ ہندوستان کی شمال مشرقی ریاستیں جو کبھی ''قبائلی آبادی'' پر مشتمل تھیں، آج ان میں ناگالینڈ اور مگھیالہ واضح طور پر مسیحی اکثریتی ریاستیں ہیں۔ ماضی کی اس ترویج مسیحیت کے باوجود آج مسیحی رہنما یہ تسلیم نہیں کرتے کہ وہ لوگوں کو مسیحی بنا رہے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ وہ تو لوگوں کی خدمت کر رہے ہیں، اُن کے سامنے محض یسوع کا پیغام پیش کرتے ہیں۔

مسیحی رہنماؤں کا کہنا ہے کہ اگر اُنہوں نے دولت وطاقت کے ذریعے مسیحیت کو عام کیا ہوتا تو وہ آج محض معمولی سی برادری کیوں ہوتے، اور ان کی آبادی میں فی صد کمی کیوں ہوتی۔ ۱۹۷۱ء اور ۱۹۹۱ء کے درمیان مسیحی آبادی ۳۵ء۲ فی صد سے کم ہو کر ۴۳ء۲ فی صد رہ گئی ہے۔ آج اُن کی کل آبادی دو کروڑ ساٹھ لاکھ سے زیادہ نہیں۔ گزشتہ بیس برسوں میں ہندو آبادی میں ۲۴ فی صد اضافہ ہوا ہے، جب کہ مسیحی آبادی میں یہ اضافہ صرف ۱۶ فی صد ہے۔

''ہندو وشوا پریشد'' اور دوسری ذیلی ہندو تنظیموں نے سماجی سطح پر مسیحی منادوں کی سرگرمیوں کے مقابلے کے لیے سکول قائم کرنے شروع کر رکھے ہیں، تاہم یہ مسیحی لگن کا مقابلہ کرنے میں فی الوقت ناکام ہیں۔

ہندو انتہا پسندوں کی ناراضگی کا دوسرا سبب سیاسی ہے۔ وہ بظاہر سیکولر، ''انڈین نیشنل کانگرس'' کی رومن کیتھولک رہنما سونیا گاندھی کے ہم مذہبوں کے خلاف حرکت میں آ کر اُنہیں اس سطح پر لانے کے خواہش مند ہیں کہ وہ مسیحیوں کی تائید میں کھل کر سامنے آئیں، تاکہ اُنہیں مذہبی بنیاد پر نشانۂ تنقید بنایا جائے، اور اس طرح ''بھارتیہ جنتا پارٹی'' کے ہندو ووٹ بنک میں اضافہ ہو۔ یہ تو ابھی واضح نہیں کہ سونیا گاندھی ''ہندو وشوا پریشد'' کے اس جال میں آتی ہیں یا نہیں؟ مگر ماضی کا تجربہ یہ ہے کہ بابری مسجد کی شہادت سے ''بھارتیہ جنتا پارٹی'' کو عام ہندوؤں میں مقبولیت حاصل ہوئی تھی۔

گجرات میں مسیحی برادری کے خلاف یکے بعد دیگرے تشدّد کے واقعات پر ہفت روزہ ''انڈیا ٹوڈے'' (دہلی) کے نمائندے نے ''ہندو وشوا پریشد'' کے بین الاقوامی صدر وی-ایچ-ڈالمیا سے گفتگو کی۔ اس گفتگو سے بھی مسیحیوں کے خلاف تشدد میں سونیا گاندھی والے عنصر کا پتہ چلتا ہے۔ مختصر سا انٹرویو یہ ہے:

س۔ گجرات میں مسیحی مبشرین کے خلاف تشدد کیوں ہوا؟

ج۔ یہ ایک جھوٹا الزام ہے۔ اصلاً ہم پر حملہ کیا گیا اور پھر ہم پر ہی اُنہوں نے الزام لگا دیا۔

س۔ لیکن ہندوستان میں مسیحی جارحیت پسند طبقے کے طور پر متعارف نہیں۔ وہ اچانک تشدد کیسے ہو گئے؟

ج۔ آپ سب سے بخوبی آگاہ ہیں۔

س۔ کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ یہ سونیا گاندھی کے طاقتور ہونے کی وجہ سے ہے؟

ج۔ جی ہاں! وہ [مسیحی] سمجھتے ہیں کہ اُس کے اقتدار میں آنے سے اُن کے لیے سب سے اچھا وقت ہوگا، اور وہ جو چاہیں گے، کر لیں گے۔

س۔تو اب مسیحی بہ مقابلہ ہندو ایک سیاسی مسئلہ ہے؟

ج۔ جی ہاں! ہم اسے ایسا بنانا نہیں چاہتے، لیکن اگر مسئلہ یوں بن جاتا ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔

س۔ ہمارا دستور کسی بھی مذہب پر عمل کرنے کی اجازت دیتا ہے۔تو کیا آپ دستور کو چیلنج نہیں کر رہے؟

ج۔نہیں! ہم دستور کو چیلنج نہیں کر رہے۔ ہم جبری تبدیلی مذہب کے خلاف ہیں۔

(انڈیا ٹوڈے'' یکم جنوری ۱۹۹۹ء)

---

ہندوستان میں مسیحی برادری کے خلاف تشدد کے واقعات پر پاکستانی مسیحی حلقوں کی جانب سے سخت احتجاج کیا گیا ہے۔

۱۵ جنوری ۱۹۹۹ء کو گوجرانوالہ میں ایک جلوس نکالا گیا۔جلوس میں ''مسیحی مرد وخواتین، طلبہ اور مسلم بھائیوں نے بھی شرکت کی۔ بھارتی حکومت کے ناروا ظلم وتشدد اور سلوک کی بھرپور مذمت کی گئی اور بھارت میں موجود تمام مذہبی اقلیتوں کی عبادت گاہوں کو شہید کرنے کی مذمّت کی گئی اور کشمیر میں ہونے والے کشمیری بھائیوں کے قتل وخون کو انسانی حقوق کے ضابطوں کی خلاف ورزی قرار دیا گیا۔'' جلوس کے قائد ریورنڈ فادر مانی نے کہا کہ ''ہم ان دُکھ بھرے لمحات میں بھارت میں بسنے والے مسیحیوں اور دیگر اقلیتوں کے ساتھ ہیں اور اقوام متحدہ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ انسانی حقوق کی قاتل حکومت پر اقتصادی پابندیاں لگائی جائیں اور ایسی حکومت کو برطرف ہو جانا چاہیے جو مقدس عبادت گاہوں کو بے دریغ شہید کر رہی ہے۔'' جلوس نے گوجرانوالہ کے کمشنر آفس میں جا کر اعلیٰ حکام کو ایک احتجاجی یادداشت بھی پیش کی۔(ماہنامہ ''شاداب''، فروری ۱۹۹۹ء، ص ۳۰)

پشاور میں ایک احتجاجی جلوس کا اہتمام کیا گیا اور پاکستان کرسچن رائٹرز گلڈ پشاور نے

''گرجا گھروں کے جلائے جانے پر غم وغصہ کا اظہار کیا اور حکومت سے اپیل کی کہ پاکستان کے مسیحیوں کے احتجاج کو یو-این-او اور بھارت تک پہنچایا جائے۔'' (ماہنامہ ''شاداب''، فروری ۱۹۹۹ء، ص ۲۸)

۲۴ جنوری کو پیٹر جان سہوترہ (رکن قومی اسمبلی) نے میران شاہ (صوبہ سرحد) میں ایک مسیحی اجتماع میں ''بھارت کے گرجا گھروں پر حملوں کی شدید مذمّت کی اور کہا کہ وہاں پر اقلیتوں کی جان و مال محفوظ نہیں۔ بھارتی حکومت اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ میں ناکام ہو چکی ہے۔''

۲۵ جنوری کو نارووال میں ایک جلوس نکالا گیا (پندرہ روزہ ''کاتھولک نقیب''، ۱۵ فروری ۱۹۹۹ء، ص ۱۹)۔ ۴ فروری کو فادر رحمت حاکم اور دوسرے کلیسائی رہنماؤں نے پشاور میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ (ماہنامہ ''شاداب''، مارچ ۱۹۹۹ء، ص ۴۱)

---

احتجاجی جلوسوں اور بیانات کے ساتھ مسیحی مجلّات نے ''اداریے'' لکھے اور مضامین شائع کیے ہیں۔ بعض مضامین میں بھارت کے ساتھ وطنِ عزیز کے حالات پر بھی اُنہوں نے اپنے زاویہ نظر سے گفتگو کی ہے۔ اس سے قطع نظر کہ ہندوستان میں مسیحی برادری کے ساتھ ہونے والی زیادتی پر لکھتے ہوئے سیاق وسباق سے ہٹ کر وطنِ عزیز کا تذکرہ کیا گیا ہے، یہ مسیحی حلقوں کی سوچ ہے، اس لیے اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ ذیل میں چند نمائندہ تحریریں موقر معاصرین کے شکریے کے ساتھ نقل کی جاتی ہیں۔ یہ تحریریں بعض جگہ اتنی گنجلک ہیں کہ مفہوم غیر واضح ہے۔ غالباً یہ پروف خوانی میں تساہل کا نتیجہ ہے۔ اِن جگہوں پر ہمیں نقطے [...] لگانے پڑے ہیں۔ مدیر]

☆ بھارت میں اقلیتوں کی حالتِ زار

گزشتہ کئی ماہ سے بھارت کے مختلف علاقوں میں مسیحیوں کی عبادت گاہوں اور املاک کو مسمار

وبرباد کرنے کے ساتھ ساتھ ہندو کیتھولک راہباؤں کے ساتھ اجتماعی گینگ ریپ کے المناک واقعات تسلسل کے ساتھ جاری ہیں۔ بھارت ایسے ملک میں جہاں سیکولرازم کو آئین کا بنیادی نظریہ تصور کیا جاتا ہے، ایسے مذموم اور انسانیت سوز واقعات کی جس قدر بھی مذمت کی جائے، کم ہے۔ پہلے فرقہ واریت کی بنیاد پر مسلمان اور سکھ اقلیت کے عوام ہندو انتہا پسندوں کے ظلم وتشدد کا نشانہ بنتے رہے اور ان کے جان ومال دہشت گردوں کے ہاتھوں پامال ہوتے رہے، بابری مسجد کی شہادت اور گولڈن ٹمپل پر حملہ اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ہندو انتہا پسندوں کے ظلم کا تازہ شکار وہ لوگ ہیں جو فرقہ واریت یا مذہب کے نام پر ظلم وتشدد کے بجائے امن اور محبت کے پرچارک ہیں، جو اینٹ کا جواب پتھر کے بجائے دشمنوں کے حق میں محبت اور دعا کو ضابطہ حیات مانتے ہیں، جو شہزادہ امن یسوع المسیح کے پیروکار ہیں اور اسی یسوع المسیح کی ایک پیروکار مدر ٹریضہ بھارت میں کسمپرسی کے عالم میں سڑکوں پر مرتے ہوئے لوگوں کو بلا امتیاز مذہب وملت، رنگ ونسل اپنے [ہاں جگہ] دینے میں اپنی مثال آپ تھیں۔ انہوں نے ہمیشہ عراق کے عوام کی آواز کو جس جرات اور پامردی سے اقوام متحدہ کے ایوانوں میں پیش کیا ہے، اس کی مثال اس عہد کم سواد میں کم ہی نظر آتی ہے۔ قابل افسوس مقام ہے کہ دہشت گردی عراق میں ہو تو ہمارے وطن میں بھی اس کے خلاف مدھم سی صدائے احتجاج بلند ہوتی ہے اور خود اپنے ملک میں مذہب اور فرقہ واریت کے نام پر دہشت گردی ہو تو ہائی کورٹ کے ججوں کی ایک بڑی تعداد دہشت گردوں کے خلاف مقدمات کی سماعت سے دست کش ہو جاتی ہے اور اگر کوئی عارف اقبال حسین بھٹی ایسا جج خدا اور رسولؐ کو حاضر وناظر جان کر اور عدل وانصاف کے تمام مروجہ وسائل اور ماہرین قانون کی رائے کو مدنظر رکھ کر گستاخ رسولؐ کے ملزمین کو معصوم جان کر انہیں بری قرار دے تو اسے دن دیہاڑے اس کے چیمبر میں قتل کر دیا جاتا ہے اور آج بھی صادق گنجی اور عارف اقبال حسین بھٹی کا خون ہم سب سے انصاف طلب کر رہا ہے۔ ان کو انصاف کہاں

ملے گا؟ کون دلائے گا؟ شانتی نگر کے گرجا گھروں اور ایک ہزار سے بھی زائد بائبل مقدس کو نذر آتش کرنے والوں کو کیا سزا ملی! جسٹس تنویر احمد کی انکوائری رپورٹ کا کیا بنا؟ شانتی نگر کے ملزموں کو کیوں نہیں گرفتار کیا گیا جنہوں نے پورے گاؤں کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ آج بھارت میں ہونے والے اقلیتوں کے خلاف مظالم کے خلاف احتجاج کرنے کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی عہد کرنا چاہیے کہ ہم وطن عزیز میں بھی ہر قسم کی دہشت گردی کے خلاف مکمل یک جہتی سے صرف احتجاج ہی نہیں، عملی اقدامات بھی اٹھائیں گے۔ دہشت گردی خواہ اہل تشیع کے ساتھ ہو، احمدیوں کے ساتھ یا مسیحیوں کے ساتھ، بہر صورت قابل مذمّت ہے۔ آج وطن عزیز بھی دہشت گردی کی لہروں کی زد میں ہے۔ کراچی، پنجاب اور سرحد و بلوچستان دہشت گردی کی زد میں ہیں---

اس کا ایک زمانہ معترف ہے اور آج تک یسوع المسیح کے ماننے والوں نے [ہندوستان میں] ہندو انتہا پسندوں کے انسانیت سوز مظالم کے باوجود ہندو- مسیحی فساد کی آگ نہ بھڑکنے دی، بلکہ خامشی سے جلتے ہوئے گرجا گھروں اور جلتی ہوئی مقدس کتاب بائبل کو شعلوں کے سپرد ہوتا ہوا دیکھتے رہے اور بدلہ لینے کے بجائے اپنا معاملہ خدا کے سپرد کر دیا۔ دہشت گردی خواہ مذہب کے نام پر ہو یا سیاست کے حوالے سے، بہر صورت قابل نفرین عمل ہے۔ یہ بھارت میں ہو یا پاکستان میں یا دنیا کے کسی خطّہ میں اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا، کیوں کہ دہشت گرد کا کوئی مذہب نہیں ہوتا اور کوئی ذی ہوش اس کی حمایت نہیں کر سکتا، بلکہ اسے اپنے میں سے ماننے سے بھی انکار کر دیا جاتا ہے۔ حال ہی میں امریکہ نے عراق کے عوام کے خلاف جس عالمی دہشت گردی کا مظاہرہ کیا ہے، وہ بھی اسی طرح قابل مذمّت ہے، جس طرح کسی ملک کی گروہی دہشت گردی، کیوں کہ آج اس سائنسی دور میں کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی کو مذہب، سیاست یا طاقت کے بل بوتے پر انسانی حقوق سے محروم کرے۔ عراق میں صرف مسلمان ہی نہیں، مسیحی اور دوسرے مذاہب کے لوگ بھی کثیر تعداد میں آباد ہیں۔ عراق کے صدر صدام حسین کے دستِ راست نائب وزیر اعظم جارج

طارق عزیز مسیحی ہیں جو کمال دلیری سے امریکی اور برطانوی جارحیت کا منہ توڑ جواب چاغی کے پہاڑوں کے مناظر پر مشتمل عید کارڈ لوگوں کو بھجوا رہے ہیں، جب کہ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم محبت اور احترامِ انسانیت کی فضا کو فروغ دیں اور اس تضادِ فکری سے نجات حاصل کریں کہ ایک طرف تو ہم بھارت اور پاکستان کے درمیان بس سروس اور کرکٹ میچوں کا اہتمام کرتے ہیں اور دوسری طرف ایٹم بم کی تجربہ گاہ وادی ''چاغی'' کے مناظر پر مشتمل کارڈ بھجوائے جاتے ہیں جب کہ عید الفطر بنی نوع انسان کے لیے محبت اور مسرت بھرا تہوار ہے۔ لہٰذا خود ہمیں اپنا قبلہ نما درست کرنے کی ضرورت ہے۔ اس موقع پر ہم دنیا بھر کے روشن خیال اور انسانوں سے محبت رکھنے والوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ بھارت میں اقلیتوں کے خلاف ہونے والے انسانیت سوز مظالم کو ختم کرانے کے لیے اپنا کردار ادا کریں۔ (ماہنامہ ''شاداب''، لاہور، جنوری ۱۹۹۹ء)

☆ بھارت اور مذہبی اقلیتیں

۱۔ انتہا پسند مذہبی جنونی ہندوؤں کی متعصّبانہ، وحشیانہ، غیر انسانی اور غیر اخلاقی مکروہ کارروائیاں ایک عرصہ سے نقطہ عروج پر ہیں۔ ویسے تو زمانہ قدیم سے دیگر مذاہب کے خلاف ہندوؤں کی انسانیت سوز نفرت ڈھکی چھپی نہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ بھارت میں ہندو دوسرے مذاہب اور عقائد کے خلاف کسی نہ کسی حوالے سے سرگرم رہتا ہے اور اپنی مخصوص مکّار ذہنیت کے سبب ہر دور میں کوئی نہ کوئی گھناؤنی سازش تیار کرنے میں مصروف رہتا ہے۔ انتہا پسند متعصب ہندوؤں کے شر سے مسلمان، سکھ اور مسیحی کبھی محفوظ نہیں رہے۔ ہندوؤں نے سکھوں کے مذہبی جذبات اور روحانی عقیدے کو روندتے ہوئے گولڈن ٹمپل پر حملہ کیا۔ کبھی بابری مسجد کی شہادت کا ادنیٰ فعل کیا۔ کبھی درگاہ حضرت بل پر حملہ کر کے مسلمانوں کے مقدس مقامات کو پامال کیا، اور اب مسیحی اقلیت ان کے ظلم و شر سے محفوظ نہیں۔

انتہا پسند ہندوؤں نے پچاس سے زائد گرجا گھروں پر حملے کیے ہیں۔ گرجا گھروں کی املاک

پر قبضہ کیا ہے۔ نوجوان مسیحی راہباؤں کو اغوا کیا ہے۔ یہ سب کچھ مسیحیت کے خلاف کھلا اعلان جنگ ہے۔

۲۔ نام نہاد سیکولرازم کے داعی اور بے بنیاد جمہوریت کے دعویدار بھارت نے کس بنا پر کشمیریوں کو پچاس سال سے حق خودارادیت سے محروم کر رکھا ہے۔ بھارت کی ہٹ دھرمی دیکھیے کہ لاکھوں نہتے کشمیری مسلمانوں کا خون کر کے، عورتوں کی بے حرمتی کر کے اور بچوں کے قتل و غارت کے باوجود اقوام متحدہ کی قرارداد پر عمل نہیں کر رہا۔ بھارت میں مسلم کش فسادات کے بعد جب انتہا پسند جنونی ہندوؤں کی آتما کو سکون نہ ملا تو انہوں نے بھارت میں بسنے والی پُرامن مسیحی اقلیت کی عبادت گاہوں پر حملے شروع کر دیے۔ مسیحیوں کی عبادت گاہوں کو نذر آتش کیا۔ مقدس مقامات پر ناجائز قبضہ کیا اور مسیحی راہباؤں کو اغوا کر لیا۔

یہ امر باعثِ صد افسوس اور تشویش ناک ہے کہ بھارتی حکومت نے ابھی تک اس بے مہار اقلیت دشمن، مذہبی جنونی دہشت گرد گروہ کے خلاف کوئی خاطر خواہ کارروائی نہیں کی۔

مسجدوں، گرجا گھروں اور گردواروں کی کھلے عام بے حرمتی، مصروف عبادت مسلمانوں، عیسائیوں، سکھوں کا قتل عام اس بات کا متقاضی ہے کہ انسانی حقوق کی تنظیمیں اور بین الاقوامی ادارے بھارت کے خلاف سخت سے سخت کارروائی کے لیے سامنے آئیں۔

۳۔ اقوام متحدہ کا ادارہ اپنا خصوصی اثر و رسوخ استعمال کرے تاکہ بھارت میں مذہبی آزادی حاصل ہو، اور [اقلیتوں] کی عبادت گاہیں ہندوؤں کے شر اور شرارتوں سے محفوظ رہیں۔

عالمی اداروں کا فرضِ اوّلین ہے کہ وہ بھارت کو ملنے والے قرضوں پر اس وقت تک پابندی کا مطالبہ کریں جب تک بھارت مذہبی دہشت گردی سے باز نہیں آ جاتا۔ بھارتی حکومت کو از خود بھی ایسی گھناؤنی وارداتوں کا سختی سے نوٹس لینا چاہیے اور یاد رکھنا چاہیے کہ بھارت میں ہندوؤں کے علاوہ بھی دیگر مذاہب اور عقائد کے لوگ آباد ہیں اور ان کا بھی بھارت پر اتنا ہی حق ہے جتنا

کسی بھارتی ہندو کا۔ (تحریر یوسف پرواز، ماہنامہ ''مکاشفہ-'' سمندری، فروری ۱۹۹۹ء)

☆ مہاتما گاندھی اور متعصب ہندو

گاندھی ہندومت کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''عدم تشدد کے ذرائع سے سچ کی تلاش''، مشہور اچھوت رہنما ڈاکٹر امبید کر کہتے ہیں: ''ہندو معاشرے میں کسی ذات سے تعلق رکھنے کے لیے اس میں جنم لینا ضروری ہے اور مذہب تبدیل کرنے والے کی ذات کوئی نہیں۔'' سابق وزیر اعظم انڈیا پنڈت جواہر لال نہرو کے بقول: ''یہ بہت مشکل ہے کہ ہندومت کی تعریف کی جائے کہ آیا یہ مذہب ہے کہ نہیں، لیکن یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ اس دھرم کی بنیاد رکھنے والے کون تھے اور کہاں سے آئے تھے، اور کیوں کر آئے؟ آریہ حملہ آوروں نے سماج کی تقسیم ذاتوں کے لحاظ سے کی اور یہی ہندومت کی بنیاد بنی۔'' آریہ نسل میں ایرانی، قدیم ہندو، یونانی، اطالوی، کیلٹس، جرمن اور سلاوک اقوام شامل ہیں۔ آریہ قوم کا اصلی وطن ایشیا بتایا جاتا ہے۔ اس قوم کا مذہب وحدانیت تھا۔ ان کا معبود زندگی اور طاقت کا عطا کرنے والا اور غیر فانی تھا۔ وہ سمندر، پہاڑ، دریا کا پیدا کرنے والا، آسمانوں کا روشن کرنے والا، ساری قدرت کا رکھنے والا اور سارے دیوتاؤں کا دیوتا تھا۔ آریاؤں کا جو گروہ چل کر ہندوستان آیا، اس نے بہت سی باتوں میں جلد ترقی کر لی۔ اس میں مذہبی پیشواؤں، جنگجو لوگوں اور کسانوں کے فرقے قائم ہو گئے۔

قدیم زمانے میں جب کہ آریانسل کے لوگ اپنے اصل وطن سے روانہ ہو کر دیگر ممالک کی طرف گئے، ایک قوم آباد تھی جسے اران یا ارون کہتے ہیں۔ اس قوم کے نام پر ملک ایران کا نام رکھا گیا۔ آریاؤں کا ایک بڑا حصہ خود ایشیا میں رہا۔ اس حصے کے بھی آگے چل کر دو حصے ہو گئے، جن میں سے ایک تو ہندوستان میں آباد ہوا اور دوسرے نے ایران پر قبضہ کر لیا، جہاں کھانے پینے کی چیزیں بہ افراط ملتی تھیں، جن میں زرخیزی پھیلانے والے دریا اور چشمے بکثرت سے پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ مصر میں دریائے نیل، مسوپتامیہ (موجودہ عراق) میں دجلہ اور فرات، چین میں یانگ

سی کیانگ وغیرہ ایسے دریا ہیں جو اپنے ساتھ ان پہاڑوں سے جہاں سے وہ نکلتے ہیں ایسی چیزیں لاتے اور زمین پر پھیلا دیتے ہیں جو زرخیزی کی مدد و معاون سمجھی جاتی ہیں۔

زرخیز ممالک میں انسانی زندگی بڑی راحت و آرام سے گزرتی ہے، اس لیے ان پر دوسری قوموں نے حملہ آور ہو کر اور ان میں سکونت اختیار کر کے اپنی زندگی کو عیش و عشرت اور بے فکری کی زندگی بنانے کے لیے بے حد جدوجہد کی۔ چنانچہ قدیم زمانے میں ہی مصر پر حتیوں، اسوریوں اور فارسیوں، ہندوستان پر آریوں، چین پر منگول قوم اور سرزمین مسوپتامیہ پر اخاوین قوم نے یورشیں کیں اور ان میں سکونت اختیار کر کے دم لیا۔ اب یہ بات عیاں ہوگئی ہے کہ ہندو ہی دراصل آریہ ہیں۔ اور جو کچھ آج کل ہندوستان میں مسیحیوں اور مسلمانوں کے ساتھ ہو رہا ہے، یہ آج سے نہیں، بلکہ یہ اس وقت سے ہی ہو رہا ہے جب سے یہ یہاں آئے ہیں۔ انہوں نے یہاں کے مقامی لوگوں کو قابلِ نفرت گردانا، انہیں اچھوت قرار دیا اور یہی وجہ ہے کہ ہندوؤں میں بھی آریاؤں کی طرح صرف تین ہی ذاتیں ہیں اور بالکل وہی ہیں، یعنی برہمن، کھشتری اور ویش، شودر کے طور پر مقامی لوگوں کو شامل کر لیا گیا۔ ہر فاتح، مفتوح کو قابل نفرت گردانتا ہے، گھٹیا سمجھ کر احساس کمتری کا شکار کرنا اس کا طرہ امتیاز رہا ہے۔

جہاں تک گاندھی جی کا تعلق ہے تو وہ ہندوؤں کے مصلح ہیں، اور انہوں نے اس تعریف پر پورا پورا عمل کیا۔ میں تو زیادہ ہی تاریخ میں چلا گیا، بات ہو رہی تھی شہید گاندھی اور اس کے برعکس چند ایک غنڈہ گردوں کی جنہوں نے انہیں قتل کیا، اور آج کل مسیحیوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، ان کی عبادت گاہوں کو خاکستر کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی عزتوں سے ہولی کھیلنے کا ناپاک عمل کیا جا رہا ہے۔ تحریک خلافت جو دسمبر ۱۹۱۹ء میں کانگرس اور مسلم لیگ نے شروع کی اور جب وہ تحریک زوروں پر تھی تو چند ایک انتہا پسندوں نے ضلع گورکھ پور کے قصبہ چوراچوری کے مقام پر تھانہ پر حملہ کر کے ۲۱ افراد کو مار دیا تھا تو انہوں نے عدمِ تشدد کی پالیسی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس تحریک

سے علیحدگی اختیار کرلی۔

اسی طرح جب اثاثوں کی تقسیم کا مسئلہ درپیش آیا اور ہندوستان پاکستان کو اس کے بقیہ ۵۵۰ ملین روپے نہیں دے رہا تھا اور حالات نازک ترین صورت حال اختیار کر رہے تھے تو گاندھی جی نے ۱۲ جنوری ۱۹۴۸ء کو عبادتی میٹنگ کے دوران کہا کہ وہ مرنے تک روزہ رکھیں گے۔ سردار پٹیل نے اقرار کیا کہ وہ ویسا ہی کریں گے جیسی گاندھی جی کی خواہش۔ انہوں نے کہا کہ سب سے پہلی ترجیح پاکستان کو اس کی بقیہ رقم کی ادائیگی ہوگی۔--- ہندوستانی عناصر جو گاندھی کے مسلمانوں سے نرم رویے کے باعث پہلے ہی ناراض تھے، وہ ان سے اور غصے میں آ گئے۔ پٹیل کے سوانح نگار کے مطابق روزے سے اور بے چینی آ گئی۔

[ہندو] مہاسبھا اور اس کی عسکریت پسند تنظیم راشٹریہ سوام سیوک سنگھ نے کہا کہ گاندھی جی کا پاکستان کو پیسہ دینے کے لیے روزہ رکھنا ہندوستانی سپاہ کو تباہ کرنا ہے، [بلکہ] جھگڑالو مسلمانوں کو بھی غیر مشروط تحفظ فراہم کرنا ہے۔'' ۱۳ جنوری سے انہوں نے روزہ رکھنا شروع کیا۔ ۱۴ جنوری تک وہ بہت کمزور ہو گئے۔ ۱۷ جنوری کو انہوں نے ۷ شرائط پیش کیں، جن کے پورا کیے جانے پر ہی وہ اپنے روزے کو ختم کر سکتے تھے۔ یہ تمام شرائط مسلمانوں کے حقوق اور تحفظ کے متعلق تھیں۔ دہلی میں کانگرس کے صدر راجندر پرشاد نے ایک آل پارٹیز امن کمیٹی تشکیل دی۔ اس طرح [گاندھی جی نے] ۱۸ جنوری کو اپنا روزہ ختم کیا۔

لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے شاہ انگلستان کو بعد کے حالات لکھے۔ مہاتما گاندھی کی زندگی دو دن بعد تقریباً ختم ہوگئی۔ جب ۲۰ جنوری کو عبادتی میٹنگ کے اختتام پر ایک ہندو انتہا پسند نے گاندھی جی پر بم پھینکا۔ [کذا]

مہاتما گاندھی کو ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کو شام پانچ بجے قتل کر دیا گیا۔ جب عبادتی میٹنگ کے بعد وہ ہاتھ جوڑ کر لوگوں کو سلام کا جواب دے رہے تھے تو اچانک گاڈسے (Godse) نامی ایک

فردان کے سامنے آیا اور ریوالور سے تین فائر کیے۔ گاندھی جی کے جسد خاکی کو برلا ہاؤس میں رکھا گیا۔ جب لارڈ ماؤنٹ بیٹن وہاں پہنچے تو اونچی آواز میں ایک ہندو چلایا اور کہا: ''یہ مسلمان تھا جس نے ایسا کیا۔'' ---۳ فروری کو ہندوستانی حکومت نے دو قراردادیں پاس کیں۔ پہلے نمبر پر کسی بھی تنظیم کے لیے تشدد کی تعلیم نہ پھیلانا اور دوسرے کسی کو نجی فوج کی اجازت نہ دینا۔ یہ وہ وقت تھا جب پورے ہندوستان میں ہندو مہاسبھا اور آر-ایس-ایس-ایس کے خلاف احتجاج کی صدا بلند ہو رہی تھی۔ ۴ فروری کو حکومت نے آر-ایس-ایس-ایس کو غیر قانونی قرار دے دیا اور اس کے کارکنوں کو بہت سے صوبوں اور ریاستوں سے گرفتار کر لیا گیا۔ جب تقسیم ہند کے بعد اگست کے اواخر میں پنجاب میں خون کی ہولی کھیلی جا رہی تھی تو اس وقت بھی گاندھی نے روزہ رکھا۔ ان کے ساتھ ساتھ شمالی کلکتہ کی پوری پولیس نے اپنی ڈیوٹی کے دوران ۲۴ گھنٹوں کا روزہ رکھا۔ چار دن میں مکمل امن ہو گیا۔ گاندھی کی کلکتہ میں ایک دعائیہ میٹنگ کے بعد ہزاروں ہندو اور مسلمان آپس میں گھل مل گئے اور ایک دوسرے کو گلے لگا لیا۔

آج سیکولر کہلانے والا بھارت انتہا پسندوں کے نرغے میں آیا ہوا ہے۔ جنونیت اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ ایک انتہائی دائیں بازو کی جماعت حکمران بنی بیٹھی ہے اور اقلیتوں، خصوصاً مسیحیوں پر مظالم کی انتہا کرنے والی جماعت شیوسینا اس حکومت میں شامل ہے۔ آج پھر ہندوستان میں گاندھی کے نظریات پر عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب گاندھی جی کی عدم تشدد کی پالیسی اپنائی جائے۔ کیا آج بھی ان کا [کوئی] حقیقی پیروکار ہے، جو جان تک قربان کرنے کے لیے تیار ہے اور جس طرح ہندوستان والوں کے باپو نے مسلمانوں کے حقوق اور تحفظ کے لیے روزہ رکھا اور اپنے مطالبات منوائے؟ انسانی حقوق کے علمبردار ملک میں کیوں انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ مذہبی تشدد سے بڑھ کر اور کوئی بڑا ظلم نہیں ہو سکتا۔ اگر مسیحیوں پر الزام لگتا ہے کہ وہ ہندوؤں کو مسیحی بنا رہے ہیں تو کیا کبھی جنونی ہندوؤں نے سوچا ہے کہ

آخر لوگ مذہب کیوں تبدیل کرنے پر مجبور ہوتے ہیں؟ (تحریر انجم جیمز پال، پندرہ روزہ ''کاتھولک نقیب''، لاہور، ۱۵ تا ۲۸ فروری ۱۹۹۹ء)

## سوڈان: غلامی کی حوصلہ افزائی کون کر رہا ہے؟

[ مسیحی تبشیری تنظیموں اور بالخصوص ''کرسچن سالیڈیریٹی انٹرنیشنل'' کی جانب سے گزشتہ چند برسوں سے یہ پروپیگنڈا کیا گیا ہے کہ جنوبی سوڈان میں بعض مسیحی غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ گزشتہ سال ۱۵ نومبر کو ''ستم رسیدہ مسیحیوں'' کے لیے ''کرسچن سالیڈیریٹی انٹرنیشنل'' کی جانب سے یوم دُعا کی اپیل شائع کی گئی تھی اور ساتھ ہی یہ بتایا گیا تھا کہ ''تنظیم نے دو ہزار چار سو سے زائد سوڈانی غلاموں کو آزادی دلائی ہے، لیکن ہزاروں مسیحی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں، اور اِس سے کہیں زیادہ تعداد میں مسیحی دُنیا کے دوسرے خطوں میں ظلم وستم کا شکار ہیں۔ وہ ہمارے نجات دہندہ، یسوع مسیح پر ایمان کی بڑی بھاری قیمت ادا کرتے ہیں۔ وہ مدد کے لیے تمہاری طرف دیکھتے ہیں۔''

سوڈان بین الاقوامی پابندیوں اور خانہ جنگی کے باعث اقتصادی اور سیاسی مشکلات کا شکار ہے، تاہم اِس کی اسلامی قیادت اپنے محدود وسائل بروئے کار لاتے ہوئے اندرونی اور بیرونی چیلنجوں سے نبرد آزما ہے۔ جنوبی سوڈان میں آزادی کے فوراً بعد ہی مسیحی تبشیری تنظیموں نے، جہاں اُن کی موجودگی نوآبادیاتی دور سے چلی آ رہی تھی، اپنی سرگرمیاں تیز تر کر دی تھیں، مسیحی اقلیت کے ساتھ مظاہر پرست آبادی میں شمالی سوڈان کے عرب مسلمانوں کے خلاف جداگانہ تشخص کو ابھارنے کی کوشش کی گئی۔ اِس میں مسیحی تنظیموں کو ایک حد تک کامیابی بھی حاصل ہوئی ہے، تاہم ردعمل میں مسلم دعوتی سرگرمیاں بھی شروع ہو گئیں۔ اب جہاں مسیحی تنظیمیں اپنے مالی وسائل، مناسب تنظیم اور مغربی دُنیا کے پروپیگنڈے کی مدد سے سوڈان کی اسلامی قیادت کو نیچا